نگاہ اولین

مدیر التحریر

گلگت بلتستان پیکیج اور مسئلہ کشمیر

آزادی کے 62 سال بعد اللہ اللہ کر کے حکومت پاکستان نے گلگت بلتستان کو نیم صوبائی پیکیج دینے کا اعلان کیا ہے۔ اگرچہ سابقہ حکومتوں نے بھی چاہے سیاسی ہوں یا فوجی، کسی نہ کسی صورت میں علاقے کی بہتری کے لیے اقتصادی اور ''ناردرن ایریاز کونسل'' کے نام سے ایک سیاسی نظام وزارت امور کشمیر کے ماتحت دے رکھا ہے۔ اب حکومت پاکستان کی طرف سے 29 اگست 2009ء کو وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی نے نیم خودمختار انتظامی ڈھانچے کی منظوری دے دی ہے۔

علاقے کا نام'' گلگت بلتستان'' ہوگا۔ 33 رکنی قانون ساز اسمبلی ہوگی جو وزیر اعلیٰ کا انتخاب کرے گی، گورنر کی تقرری صدر پاکستان کریں گے۔ 6 وزیر اور 2 مشیر ہوں گے اور آزاد کشمیر کی طرز پر پندرہ رکنی کونسل قائم ہوگی، جس کا چیئرمین وزیر اعظم پاکستان ہوگا۔ البتہ وزیر اعظم نے اپنی بریفنگ میں یہ بتایا کہ اقوام متحدہ کی قرارداد اور پاکستانی آئین کے تحت صوبے کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔ اسی سیٹ اپ کے تحت جناب قمر الزمان کائرہ نے قائم مقام گورنر کا حلف بھی اٹھایا ہے۔

اس پیکیج کے اعلان کے بعد علاقے کی حساس نوعیت کے پیش نظر موافق ومخالف دونوں طرح کی بیان بازی ہورہی ہے۔ موافقت میں زیادہ تر PPP سے تعلق رکھنے والے سیاسی لوگ اور لیڈران شامل ہیں۔ ان کے خیال کے مطابق یہ پیکیج عوام کی مسلسل جدوجہد کا نتیجہ ہے، اور اس پیکیج سے 16 لاکھ عوام کی محرومیوں اور مسائل کا خاتمہ ہونے کی واقعی امید ہے۔ یہ حکومت پاکستان کی فراخ دلی کا منہ بولتا ثبوت ہے، اور 62 سالہ محرومیوں کا ازالہ ہے کہ تاریخ میں پہلی مرتبہ گلگت بلتستان کو ایک جامع پیکیج دیا گیا اور PPP حکومت کی طرف سے ایک عظیم ''تحفہ'' بتاتے ہوئے صدر اور وزیر اعظم کو خراج تحسین پیش کیا جا رہا ہے۔

اسی طرح مخالفت میں بیان دینے والے اس پیکیج کو آدھا تیتر آدھا بیٹر والا پیکیج قرار دیتے ہیں۔ نام نہاد وزیر اعلیٰ اور گورنر ہوں گے۔ اختیارات 15 رکنی کونسل کے پاس ہوں گے۔ خاص کر گورنر کے تقرر کو موضوع تنقید بنایا جاتا ہے کہ پارٹی اور کابینہ کے ایک وزیر کو قائم مقام گورنر بنایا گیا ہے جو ایک غیر جمہوری

اقدام ہے، جب کہ اس منصب کا حامل شخص غیر جانبدار، قابل قبول شخصیت ہونا ضروری ہے۔ یہ اقدام خاص کر گلگت بلتستان اسمبلی کے انتخابات پر اثر انداز ہونے اور پارٹی بیس مضبوط کرنے، نیز غیر جانبدار ایماندار آفیسرز اور ملازمین کو اِدھر اُدھر کرنے جیسے امور کی انجام دہی کے سوا کچھ نہیں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ صوبائی حقوق دیے جاتے، نہیں تو آزاد کشمیر طرز کی کوئی حکومت ترتیب دی جاتی۔

یہاں تو صرف نام بدل گیا ہے حقوق کا گراف نیچے گرا ہے۔ گلگت بلتستان کے لیے اقتصادی پیکیج کی ضرورت ہے۔ یہاں جب سے PPP حکومت آئی ہے، ترقیاتی فنڈ تک رکا ہوا ہے، اور کہیں قابل ذکر ترقیاتی کام نہیں ہو رہا۔

اگرچہ حکومت نے اس پیکیج کو گلگت بلتستان کے 16 لاکھ عوام کو قومی دھارے میں شامل کرنے اور داخلی خودمختاری دینے سے تعبیر کیا ہے۔ مگر اس حوالے سے مخالفین اور مقتدر حلقوں اور قومی لیول کے حزب اختلاف کے لیڈروں کے شدید اعتراضات اور تحفظات بھی ہیں۔ اور اس میں کشمیر کاز کا مسئلہ اہم ترین ہے۔ ان کا حلقوں کا یہ بھی خیال ہے کہ پرویز مشرف کے زمانے میں تقسیم کشمیر کا جو فارمولا پیش ہوا تھا یہ اس سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔

اگر اس پیکیج پر غیر جانبدارنہ غور کیا جائے تو کسی حد تک علاقے کی محرومیوں کے خاتمے کا باعث تو شاید بنے، لیکن 62 سالہ احساس محرومی کا مکمل خاتمہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ گلگت بلتستان کے عوام کا دیرینہ مطالبہ تو ہے کہ اختیارات مکمل طور پر اسلام آباد سے گلگت بلتستان ہیڈ کوارٹر منتقل ہو جائیں، مگر پیکیج ہذا میں کانا ڈویژن کو معاملات سے بے دخل نہیں کیا ہے۔ یوں اس کو کانا ڈویژن کی بیوروکریسی کا پنجہ مضبوط کرنے کا ایک ذریعہ سمجھا جائے گا۔ اسی طرح پیکیج کو آئینی وسیاسی بھی نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ پاکستان کی کوئی بھی حکومت گلگت بلتستان کو آئین اور سیاسی سیٹ اپ نہیں دے سکتی۔ اس کی راہ میں مسئلہ کشمیر اور اقوام متحدہ کی قراردادیں حائل ہیں۔ بہر حال یہ پیکیج مالیاتی وانتظامی قرار دیا جاسکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ گورنر صدر کا نمائندہ اور وزیر اعلیٰ وزیر اعظم کے ماتحت ہوتا ہے۔ لہذا مقرر کردہ یہ دونوں مقتدر حضرات دستور وضابطے کے تحت نئے سیٹ اپ کو چلائیں گے، اس کی ابھی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔ کیونکہ گلگت بلتستان، پاکستان کے آئین کے دائرے میں نہیں آتا۔

کہا جاتا ہے کہ 1970ء سے تا حال حکومت یہاں کے عوام کو کوئی 6 پیکیجز دے چکے ہیں، اور مذکورہ پیکیج سے علاقے میں تھوڑی تبدیلی آئے گی، لیکن اس علاقے کی معاشی، سیاسی و علمی پسماندگی دور نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ گلگت بلتستان کو جب بھی کوئی پیکیج ملا، اس کے مثبت اثرات عوام تک نہیں پہنچے، وجہ یہ ہے کہ سازشی عناصر اس علاقے کو اگلے علاقوں کی طرح ترقی یافتہ دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ دوسری طرف اگر کچھ فنڈ ریلیف ہو جائے تو کچھ سرکاری محکموں کے اوپر سے نیچے تک کے اہل کاروں کی جیبوں میں چلا جاتا ہے جن کا پتہ نہیں ہوتا۔ اب چونکہ گورنمنٹ آف پاکستان نے ایک نئے پیکیج کا اعلان کیا ہے اس پر عمل درآمد کرانے کا موقع دینا چاہئے اور تقدیر بدلنے کا انتظار کرنا چاہئے۔

جہاں تک ہمارے اس علاقے کے کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ گلگت بلتستان کا کشمیر سے کوئی تعلق نہیں۔ یقیناً یہ بالکل خام خیالی ہے اور حقیقت کو جھٹلانے کے مترادف بھی، کیونکہ یہ علاقے بدنام زمانہ بیع نامہ امرتسر سے پہلے مہاراجہ کشمیر کے زیر تسلط اور کشمیر کا حصہ رہے ہیں۔

گلگت بلتستان کی تاریخی اور مستقبل کی حیثیت کے بارے میں اس خطے کی جہاد کے ذریعے آزادی کے ساتھ ہی ایک بحث چل نکلی ہے یہاں کے آئین اور انتظامی ڈھانچے کے لیے مختلف اقدامات آزمائے گئے ہیں۔ ان سب اقدامات کا بنیادی نقطہ یہی تھا کہ یہ خطہ ریاست جموں وکشمیر کا حصہ ہے۔ ریاست کی بین الاقوامی طور پر متنازعہ حیثیت اور مسئلہ کشمیر میں پاکستان کے بنیادی موقف پر قائم رہتے ہوئے یہ اقدامات کئے جاتے رہے۔ موجودہ اعلان کردہ پیکیج میں بھی اس بنیادی موقف کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ بدنام زمانہ بیع نامہ امرتسر مارچ 1846ء سے بہت پہلے شمالی علاقہ جات کے یہ خطے ریاست جموں وکشمیر کا حصہ بن چکے تھے۔ ڈوگرہ دور میں ریاست جموں وکشمیر کے تین حصے بطور صوبہ تھے۔ جموں وکشمیر لداخ اور موجودہ شمالی علاقہ جات۔ قیام پاکستان کے بعد الحاق پاکستان کے لیے جہاد کشمیر کا اعلان ہوا۔ اس کے نتیجے میں جموں وکشمیر کا موجودہ خطہ آزاد ہوا، اس کے تسلسل میں گلگت بلتستان کے خطے میں بھی آزادی کے لیے جہاد شروع ہوگیا تھا، جس کی ابتدا ڈوگرہ فوج میں شامل مسلمان آفیسروں وجوانوں کی بغاوت سے ہوئی۔ آگے جا کر عوام نے انہی جوانوں کی اور آفیسروں کی راہنمائی میں جگہ جگہ محاذ کھول کر ڈوگروں کو بھگا کر خطے کو آزاد کرالیا۔ یکم نومبر 1947ء کو گورنر گھنسارا سنگھ کو گرفتار کرلیا گیا اور گورنر ہاؤس پر پاکستان کا جھنڈا لہرایا گیا۔

فتح کے بعد مجاہدین نے حکومت پاکستان کو تار کے ذریعے پاکستان سے الحاق کی درخواست دی، مگر ناگزیر وجوہات کی بناء پر الحاق کا فیصلہ نہیں کیا گیا۔

ڈوگرہ دور میں گلگت بلتستان ضلع لداخ کا حصہ تھا، اس کے تمام انتظامی اور مواصلاتی رابطے سرینگر کے ساتھ تھے۔ اپریل 1949ء میں چودھری غلام عباس پہلے کشمیری لیڈر تھے جنہوں نے گلگت کا دورہ کیا۔ اس دوران گلگت بلتستان کے انتظامی، معاشی اور مالی امور حکومت پاکستان کی وزارت امور کشمیر نے سنبھال لئے تھے۔ اپریل 1949ء ہی میں ایک انتظامی معاہدہ وزارت امور کشمیر، حکومت آزاد کشمیر اور مسلم کانفرنس کے درمیان طے پایا تھا۔ جس میں وزارت امور کشمیر، حکومت آزاد کشمیر اور مسلم کانفرنس کے حدود، فرائض اور اختیارات طے پائے تھے۔

اس معاہدہ پر وزارت اُمور کشمیر کی طرف سے مشتاق احمد گورمانی، آزاد کشمیر حکومت کی طرف سے صدر سردار ابراہیم خان اور مسلم کانفرنس کی طرف سے صدر چوہدری غلام عباس نے دستخط کیے۔

گلگت بلتستان کی حیثیت کے بارے میں مختلف سطحوں پر غور وخوض جاری رہا، پاکستان کی سپریم کورٹ میں بھی یہ معاملہ زیر سماعت رہا۔ آزاد وجموں وکشمیر کی عدالت عالیہ سمت دونوں اعلیٰ عدالتوں نے اس خطے کو جموں وکشمیر کا ''تاریخی'' حصہ قرار دیا، البتہ ''انتظامی'' حصہ قرار نہیں دیا۔

اب حکومت پاکستان نے اس نئے فیصلے سے گلگت بلتستان کی مستقل حیثیت کا تعین تو کر دیا، لیکن اس فیصلے کے خلاف کشمیری لیڈروں کی اکثریت نے شدید ردعمل کا اظہار کر دیا ہے۔ بہرحال ان تاریخی وجوہات کی روشنی میں جس کی طرف اختصاراً صرف اشارہ پر اکتفا کیا گیا ہے گلگت بلتستان کے کشمیر کا حصہ ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی نہیں رہتا۔ اس لیے ہم تقسیم کشمیر یا خود مختار کشمیر وغیرہ کے حق میں نہیں، البتہ جب مقبوضہ علاقہ آزاد ہوگا تو ان شاءاللہ جموں وکشمیر پاکستان کا پانچواں صوبہ قرار پائے گا۔

☆☆☆☆